Category Y

AL-HAYAT Research Journal

ISSN (Online): 3006-4767
ISSN (Print):: 3006-4759

Volume 2 Issue 4 (July-September 2025)

# فلسفۂ خودی اور تعلق بالرسول ﷺ: فکرِ اقبال کی روشنی میں

# The Philosophy of Khudi and Devotion to the Prophet ﷺ: In the Light of Iqbal's Thought

**Sayed Ghulam Mehar Ali shah**
MPhil Scholar, Islamic Studies and Shariah, MY University, Islamabad

## Abstract

This paper critically examines the interrelationship between Khudi (selfhood) and devotion to the Prophet Muhammad ﷺ in the thought of Allama Muhammad Iqbal. For Iqbal, Khudi is not mere ego or self-assertion, but a profound spiritual reality rooted in faith, moral consciousness, and divine purpose. He emphasizes that the perfection and elevation of Khudi is only possible through love for the Prophet ﷺ, who represents the supreme model of human excellence. Drawing upon Iqbal's seminal works—Asrār-i-Khudī, Bāl-i-Jibrīl, and Bāng-i-Darā—the study demonstrates that the revival and strength of the Muslim Ummah depend on rediscovering Khudi in the light of Prophetic devotion. Furthermore, the paper highlights the contemporary relevance of Iqbal's message, particularly for modern Muslim youth struggling with materialism, identity crises, and spiritual emptiness. By situating Iqbal's philosophy within both its intellectual and socio-religious context, the study argues that Khudi, when illuminated by Prophetic love, offers a transformative framework for individual and collective renewal.

**Keywords:** Iqbal, Khudi, Devotion to the Prophet ﷺ, Islamic Philosophy, Muslim Youth, Spirituality, Revival of the Ummah

## تمہید

برصغیر کی فکری و ادبی تاریخ میں علامہ محمد اقبالؒ کی شخصیت غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری اور نثر کے ذریعے مسلمانوں کو از سرِ نو بیداری، خودی کی پہچان اور عشقِ رسول ﷺ کی طرف متوجہ کیا۔ اقبال کے نزدیک فرد کی اصل عظمت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ اپنی "خودی" کو پہچان کر اسے عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے نور سے منور نہ کرے۔ ان کے فلسفے میں "خودی" محض انفرادیت یا خود اعتمادی کا نام نہیں بلکہ ایک ایسی روحانی و اخلاقی قوت ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے قرب، مقصدِ حیات کی جستجو اور اجتماعی اصلاح کی طرف لے جاتی ہے۔ اقبال نے بارہا اس حقیقت کو اجاگر کیا کہ اگر خودی کو عشقِ رسول ﷺ سے محروم رکھا جائے تو وہ غرور اور تکبر میں ڈھل جاتی ہے، لیکن جب وہ حضور اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کی روشنی سے جلا پاتی ہے تو انسان کو کمال، عزت اور بامقصد زندگی عطا کرتی ہے۔ یہی تصور اقبال کی شاعری کا مرکزی نکتہ ہے، جو بالخصوص نوجوان نسل کو مادہ پرستی اور روحانی زوال سے نکالنے کے لیے ایک راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں اقبال کے فلسفۂ خودی اور تعلق بالرسول ﷺ کے باہمی ربط کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس تحقیق کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اقبال نے کس طرح عشقِ مصطفیٰ ﷺ کو خودی کی تکمیل اور امتِ مسلمہ کی بقا کا لازمی عنصر قرار دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی اجاگر کیا گیا ہے کہ اقبال کی فکر آج کے دور میں کس طرح ہماری فکری، روحانی اور عملی زندگی کے مسائل کا حل پیش کرتی ہے۔

## تعارف

اقبال کی فکر کا سب سے نمایاں پہلو "خودی" ہے، جسے انہوں نے برصغیر کے زوال پذیر مسلمانوں کے لیے ایک فکری و روحانی نسخۂ کیمیا کے طور پر پیش کیا۔ اقبال نے اپنی شاعری اور نثر کے ذریعے یہ واضح کیا کہ امتِ مسلمہ کی پستی اور غلامی کا اصل سبب اپنی خودی کو فراموش کرنا ہے۔ ان کے نزدیک خودی وہ باطنی جوہر ہے جو انسان کو


CC BY

احساسِ ذمہ داری، عمل کی قوت، اور حیاتِ نو کا پیغام دیتا ہے۔ یہی خودی فرد کو اپنی اصل پہچان سے روشناس کراتی ہے اور قوم کو عزت و وقار کے راستے پر گامزن کرتی ہے۔ اقبال کی فلسفیانہ بصیرت میں خودی محض ایک نظری تصور نہیں بلکہ ایک عملی حقیقت ہے جو فرد کی شخصیت، قوم کی اجتماعی زندگی اور تہذیب کی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اس کے بغیر نہ فرد اپنی قدر و منزلت جان سکتا ہے اور نہ ہی قوم اپنی تقدیر سنوار سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے بارہا مسلمانوں کو اپنی خودی بیدار کرنے کی تلقین کی اور اس کو امت کے عروج و زوال کا بنیادی پیمانہ قرار دیا۔ علامہ اقبال کے نزدیک خودی صرف دنیاوی طاقت کا نام نہیں بلکہ روحانیت، ایمان اور مقصدِ حیات سے جڑی ہوئی ایک عظیم روحانی حقیقت ہے۔ اقبال کی نظر میں خودی کی تکمیل اور ارتقاء عشقِ رسول ﷺ کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ ان کے اشعار اور نثر اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ خودی کو تعلق بالرسول ﷺ کے بغیر نامکمل سمجھتے ہیں۔ اقبال خود فرماتے ہیں:

"کی محمد ﷺ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں"[1]

یہ اشعار اس حقیقت کی گہرائی کو ظاہر کرتے ہیں کہ خودی کی اصل طاقت اور معراج نبی کریم ﷺ سے تعلق میں مضمر ہے۔ اقبال کے اس شعر میں عشقِ رسول ﷺ کو خودی کی تکمیل اور انسانی عظمت کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ شاعر واضح کرتا ہے کہ اگر انسان اپنی وفاداری اور محبت کا مرکز ذاتِ محمدی ﷺ کو بنالے تو وہ نہ صرف اللہ کی نصرت کا مستحق ٹھہرتا ہے بلکہ کائنات کی حقیقتیں بھی اس کے لیے مسخر ہو جاتی ہیں۔ "لوح و قلم" کی طرف اشارہ دراصل تقدیر اور علم کے سرچشموں کی علامت ہے، جو بتاتا ہے کہ حضور ﷺ سے وابستگی انسان کو روحانی بلندی، فکری بصیرت اور عملی قوت عطا کرتی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ خودی کی اصل طاقت محض انفرادی غرور یا دنیاوی وسائل میں نہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ کی وفاداری اور اتباع میں پوشیدہ ہے، جو انسان کو کمال کی راہوں پر گامزن کرتی ہے۔ اقبال کے نزدیک اگر خودی، عشقِ رسول ﷺ سے خالی ہو تو وہ محض غرور و تکبر بن جاتی ہے۔ لیکن جب وہ محبتِ رسول ﷺ کے نور سے روشن ہو جاتی ہے تو انسان کی روحانی عظمت کا آغاز ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی انسانیت کے لیے کامل نمونہ ہے اور اقبال کے ہاں خودی کی معراج بھی اسی سیرتِ طیبہ کی پیروی سے حاصل ہوتی ہے۔

اقبال کا یہ مشہور شعر:

"خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے"[2]

درحقیقت خودی کی معراج اور انسانی عظمت کی انتہائی بلندی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اقبال کے نزدیک یہ معراج اس وقت حاصل ہوتی ہے جب انسان اپنی خواہشاتِ نفس اور دنیاوی بندشوں سے نکل کر سیرتِ محمدی ﷺ کو اپنی عملی زندگی کا رہنما بنائے۔ اس شعر میں دراصل یہ پیغام پوشیدہ ہے کہ حقیقی آزادی اور عزتِ نفس اسی وقت نصیب ہوتی ہے جب انسان اپنی خودی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع کر دے۔ گویا خودی کی تکمیل بندگی سے مشروط ہے، اور بندگی کی سب سے اعلیٰ صورت اتباعِ رسول ﷺ ہے۔ یہ تصور صرف ادبی یا فکری بحث نہیں، بلکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر اثر انداز ہوتا ہے۔ روحانی اعتبار سے یہ انسان کو یقین، استقامت اور قربِ الٰہی عطا کرتا ہے۔ معاشرتی سطح پر یہ افراد کو خود اعتمادی، عزتِ نفس اور اجتماعی ذمہ داری کے احساس سے مزین کرتا ہے۔ عملی زندگی میں یہ تصور انسان کو جدوجہد، سعی اور قیادت کے لیے تیار کرتا ہے تاکہ وہ اپنی اور اپنی قوم کی تقدیر بدلنے کا سبب بن سکے۔ اقبال نے بارہا اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ جدید انسان، خصوصاً مسلمان نوجوان، خودی کی کمزوری اور روحانی خلا کا شکار ہو چکے ہیں۔ مادہ پرستی نے انہیں اپنی اصل شناخت سے غافل کر دیا ہے اور مغربی تہذیب کے اندھے اثرات نے انہیں خود فراموشی کی راہوں پر ڈال دیا ہے۔ اس صورتِ حال کو اقبال نے اپنی شاعری میں نہایت درد کے ساتھ بیان کیا، خصوصاً نظم **"جوابِ شکوہ"** میں جہاں وہ نوجوان نسل کو جھنجھوڑتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اللہ کی نصرت اور امت کی سربلندی اسی وقت حاصل ہو گی جب مسلمان اپنی خودی کو پہچان کر اسے عشقِ رسول ﷺ اور بندگیِ خدا سے منور کریں۔ اقبال کے


CC BY

نزدیک خودی کا مطلب صرف انفرادیت کا اظہار نہیں، بلکہ اس کی اصل یہ ہے کہ انسان اپنی عزتِ نفس کو پہچانے، اپنے روحانی وقار کو قائم رکھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے ربط و تعلق کو مضبوط بنائے۔ یہی خودی انسان کو بے مقصد زندگی اور غلامانہ ذہنیت سے نجات دلا کر اسے ایک باوقار اور بامقصد وجود عطا کرتی ہے۔

**اقبال کے نزدیک عشقِ رسول ﷺ شرطِ خودی:**

اقبال نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ خودی اس وقت مکمل ہوتی ہے جب وہ عشقِ رسول ﷺ سے منور ہو۔ ان کے الفاظ میں: "تعلق بالرسول ﷺ کے بغیر خودی، خودی نہیں رہتی بلکہ غرور بن جاتی ہے۔"

جیسا کہ نظم طلوعِ اسلام میں وہ لکھتے ہیں:

"وہی ہے بندۂ حر جس کی ضرب ہے قاہر و غیور

نہ وہ کہ حرفِ 'رضا' سے ہو جس کا رستاخیز غلامی"[3]

اقبال کے اس شعر میں "بندۂ حر" سے مراد وہ انسان ہے جو اپنی خودی کو پہچان کر عشقِ رسول ﷺ کے فیض سے جرات، غیرت اور حق گوئی کی قوت حاصل کرتا ہے۔ اس کی ضرب یعنی اس کا کردار اور عمل ظلم شکن اور باوقار ہوتا ہے، وہ کسی باطل قوت کے سامنے جھکتا نہیں بلکہ عزت و استقلال کے ساتھ جیتا ہے۔ اس کے مقابلے میں وہ شخص جو محض دوسروں کی رضا جوئی اور جھوٹی اطاعت میں زندگی بسر کرے، دراصل غلامی کے نئے رستاخیز کا نمائندہ ہے، کیونکہ اس کی خودی مردہ اور اس کی روح محکومیت کا شکار ہے۔ اقبال اس فرق کو اجاگر کرتے ہیں کہ حقیقی آزادی و عظمت صرف اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب انسان اپنی ذات کو سیرتِ محمدی ﷺ کے مطابق ڈھال کر غیرتِ ایمانی اور روحانی استقامت کے ساتھ زندگی گزارے۔

**رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات: خودی کی تکمیل کا ذریعہ:**

علامہ اقبال کے مطابق، اگر انسان حضور اکرم ﷺ کی محبت اور اطاعت سے منور ہو جائے، تو وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ بن سکتا ہے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس انسانیت کے لیے کامل نمونہ ہے۔ ان کی تعلیمات پر عمل کرنا ہی خودی کی اصل تکمیل ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"[4]

**نظامِ عالم کی بنیاد خودی پر ہے:**

اقبال کے نزدیک انتظامِ عالم کی بنیاد بھی خودی پر ہے۔ اگر افراد و اقوام اپنی خودی کو پہچان لیں، اور اسے عشقِ رسول ﷺ سے منور کر لیں، تو وہ سکون، قیادت، روحانی عظمت اور دنیا و آخرت کی فلاح حاصل کر سکتے ہیں۔

**اقبال کی فکر کا نچوڑ: خودی:**

علامہ اقبال کی فکر کا نچوڑ خودی کا تصور ہے۔ اقبال نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف اسرارِ خودی میں واضح کیا ہے کہ دنیا کا ہر کامیاب نظام۔ چاہے وہ روحانی ہو یا مادی، انفرادی ہو یا اجتماعی۔ اُس وقت تک قائم نہیں رہ سکتا جب تک انسان کے اندر خودی، دینی شعور، غیرت، خود اعتمادی اور مقصدِ حیات نہ ہو۔

اقبال کے مطابق، خودی وہ جوہر ہے جو انسان کو نڈر، بیدار، باکردار اور موثر رہنما بناتا ہے۔ یہ خودی ہی ہے جو انسان کو اپنی اصل پہچان دلاتی ہے، اُسے ظلم، غلامی، بے حسی، اور دوسروں پر انحصار سے آزاد کرتی ہے۔

**افراد کی خودی اور قومی تقدیر:**

اقبال فرماتے ہیں:

"افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ"[5]



CC BY

یہ اشعار اس حقیقت کا اظہار ہیں کہ اگر فرد بیدار ہو، باعزم اور باکردار ہو، تو قوم کی تقدیر سنور سکتی ہے، اور عالمی نظام عدل وانصاف پر قائم ہو سکتا ہے۔ فرد کی اصلاح، قوم کی اصلاح کا پہلا زینہ ہے۔ اقبال کے اس شعر میں یہ بنیادی نکتہ بیان ہوا ہے کہ قوموں کی اجتماعی عظمت دراصل افراد کی بیداری اور کردار پر منحصر ہے۔ اگر ایک فرد اپنی خودی کو پہچان لے، باعزم ہو اور اپنی زندگی کو ایمان، عمل اور اخلاقی اقدار کے مطابق ڈھال لے تو وہ نہ صرف اپنی ذات کو سنوارتا ہے بلکہ ملت کے مستقبل کو بھی روشن کرتا ہے۔ ایسے بیدار اور باکردار افراد ہی قوم کے مقدر کے ستارے بنتے ہیں، جو اندھیروں میں روشنی اور غلامی میں آزادی کی نوید دیتے ہیں۔ اقبال اس حقیقت کو اجاگر کرتے ہیں کہ کسی قوم کی اصلاح بیرونی سہاروں یا ظاہری نعروں سے نہیں بلکہ افراد کی اندرونی تبدیلی اور کردار کی پختگی سے ہوتی ہے، اور یہی فرد کی اصلاح قوم کی تقدیر سنوارنے کا پہلا اور سب سے اہم زینہ ہے۔

**خودی کا فقدان: زوال کا سبب:**

اقبال نے بہت پہلے امتِ مسلمہ کو خبردار کیا تھا کہ: "خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر"[6]

مگر آج مسلم اُمہ خودی کے فقدان کا شکار ہے۔ مسلمان نوجوان مادہ پرستی، اخلاقی زوال، احساسِ کمتری اور روحانی خلا کا شکار ہو چکا ہے۔ نتیجتاً اُمت مسلمہ انتشار، کمزوری، غلامی اور قیادت کے بحران میں مبتلا ہو چکی ہے۔

**قرآنی اصول: تبدیلی خودی سے مشروط:**

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ"[7]

بیشک اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے۔

یہ آیت اس امر کی وضاحت ہے کہ قومی حالت کی تبدیلی کسی بیرونی طاقت سے نہیں بلکہ اندرونی اصلاح سے آتی ہے۔

اسی تصور کو اقبال نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

"خُدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا"[8]

**خودی کی زندگی: مقاصد کی تخلیق و نشوونما:**

علامہ اقبال کی فکر میں خودی ایک ایسا جوہر ہے جو انسان کو بے مقصد زندگی سے نکال کر بلند مقاصد کی تخلیق اور جستجو کی طرف لے جاتا ہے۔ اقبال کے نزدیک زندگی محض سانس لینے کا نام نہیں بلکہ یہ سعی، جہد، جدوجہد اور ایک بلند و پاکیزہ مقصد کے حصول کی خواہش کا نام ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ اگر انسان کی زندگی میں کوئی بلند آرزو نہ ہو، تو وہ زندگی مردہ، غلامی سے بھری، اور بے روح ہوتی ہے۔ یہی آرزو، یہی طلب، انسان کو خودی کی طرف لے جاتی ہے، اسے بیدار کرتی ہے اور دنیا میں اپنا مقام پیدا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

**بلند آرزو اور خودی کی بیداری:**

اقبال فرماتے ہیں:

"ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں"[9]


CC BY

یہ اشعار اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ انسان کی زندگی صرف موجودہ حالت پر قناعت کا نام نہیں، بلکہ یہ ہمیشہ بلندی، ترقی اور آگے بڑھنے کی لگن کا نام ہے۔ زندگی کا حقیقی حسن اسی میں ہے کہ انسان کے اندر بلند مقاصد کی آرزو ہو—وہ آرزو جو اُسے اللہ کا سچا بندہ بنائے۔

**اسرارِ خودی میں آرزو کا تصور:**

علامہ اقبال نے اپنی فارسی کتاب اسرارِ خودی میں خودی کی نشوونما کو آرزو سے مشروط کیا ہے۔ چند اہم اشعار ملاحظہ ہوں:

زندگی در جستجو پوشیدہ است

اصلِ او در آرزو پوشیدہ است [10]

یعنی زندگی جستجو میں پوشیدہ ہے، اس کی اصل آرزو میں چھپی ہوئی ہے۔

اقبال کے نزدیک آرزو ہی زندگی کی بقا ہے۔ اگر انسان کے اندر آرزو نہ ہو تو وہ مردہ زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ مزید فرماتے ہیں:

آرزو جاں جہانِ رنگ و بوست

فطرتِ ہر شے امینِ آرزوست [11]

یعنی آرزو اس رنگ و بو سے بھرے جہاں کی جان ہے، ہر شے کی فطرت میں آرزو ودیعت ہے۔

یہ اشعار اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ کائنات کی ہر شے آرزو اور طلب کے تابع ہے۔ اسی سے زندگی متحرک ہے اور اسی سے انسان خودی کی شناخت پاتا ہے۔

**آرزو کا فقدان: موت کی علامت:**

اقبال مزید فرماتے ہیں:

زندہ را نفیِ تمنا مردہ کرد

شعلۂ نَفسِ سوز، افسردہ کرد [12]

ترجمہ: جب زندہ انسان سے آرزو چھن جائے تو وہ مردہ ہو جاتا ہے، اور نفس کا جلتا ہوا شعلہ بجھ جاتا ہے۔

اسی لیے اقبال نے علم، شعور، فکر، تخیل، یادداشت، اور حواسِ خمسہ—سب کو آرزو کا مرہونِ منت قرار دیا:

دست و دندان و دماغ و چشم و گوش

فکر و تخیّل و شعور و یاد و ہوش [13]

یعنی ہاتھ، دانت، دماغ، آنکھ، کان، فکر، تخیّل، شعور، یادداشت اور ہوش، یہ سب آرزو ہی سے زندہ ہیں۔

**خودی، آرزو اور مقصد:**

اقبال کے نزدیک زندگی وہی ہے جو کسی پاکیزہ مقصد کے لیے گزاری جائے۔ آرزو، لگن، محبت اور مقصدیت ہی خودی کو بیدار کرتی ہے۔ اور یہ خودی ہی ہے جو انسان کو اللہ کے قریب کرتی ہے، اور عشقِ رسول ﷺ سے منور ہو کر اسے انسانِ کامل بننے کے سفر پر ڈالتی ہے۔ علامہ اقبال کے نزدیک خودی محض خود اعتمادی یا انفرادیت کا نام نہیں بلکہ ایک روحانی، فکری اور عملی حقیقت ہے جو انسان کو اس کی اصل پہچان دلاتی ہے۔ اقبال کی رائے میں یہ خودی اس وقت مکمل، مؤثر اور مستحکم ہو سکتی ہے جب وہ عشق و محبت سے منور ہو۔ اقبال کے نزدیک عشقِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم ﷺ سے محبت انسان کی خودی کو وسعت، استقامت اور نورانیت عطا کرتی ہے۔ عشق سے خالی خودی محض غرور بن جاتی ہے، جو انسان کو خود پرستی میں مبتلا کر دیتی ہے۔ لیکن جب خودی، عشق و محبت سے لبریز ہو، تو وہ اللہ کے رنگ میں رنگ

جاتی ہے اور انسان عاجزی، عمل، ایثار اور بلند کردار کا حامل بن جاتا ہے۔اقبال فرماتے ہیں: "خودی ایک طاقت ہے، لیکن عشق و محبت اس طاقت کو روح بخشتے ہیں۔ عشق کے بغیر خودی ایک خالی قالب ہے،

اور محبت کے بغیر زندگی بے رنگ!"

اقبال اپنی فارسی تصنیف اسرارِ خودی میں عشق کی تاثیر اور خودی کی بقا کایوں بیان کرتے ہیں

نقطۂ نوری کہ نامِ او خودی است

زیرِ خاکِ ما شرارِ زندگی است [14]

اقبال عشق کو تلوار و خنجر سے بے خوف قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کی بنیاد خاک و ہوا میں نہیں بلکہ الٰہی حقیقت میں ہے:

عشق را از تیغ و خنجر باک نیست

اصلِ عشق از آب و باد و خاک نیست [15]

یعنی عشق کو تلوار اور خنجر سے کوئی خوف نہیں، کیونکہ عشق کی اصل خاک و ہوا میں نہیں، بلکہ حقیقتِ حق میں ہے۔

**سوال اور محتاجی: خودی کی کمزوری:**

اقبال کے نزدیک سوال کرنا اور لوگوں سے مانگنا خودی کو کمزور کر دیتا ہے:

خودی از سوال ضعیف می گردد [16]

**حدیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں:**

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص لوگوں سے مانگتا ہے، وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہ ہوگا۔"[17]

اقبال اسرارِ خودی میں مسلمانوں کے زوال کی بنیادی وجہ ناداری اور محتاجی کو قرار دیتے ہیں:

اَفَرَاهَم کَردہ اَز شیرَان خراج

گَشتہ روبہ مزَاج اَز احتِیاج [18]

یعنی جو قوم شیر سے خراج لیتی تھی، محتاجی کی وجہ سے روباہ (لومڑی) کے مزاج کی ہو گئی ہے۔

خستگی ہائے تو از ناداری است

اصلِ دردِ تو ہمیں بیماری است [19]

یعنی تیری تھکن اور کمزوری ناداری سے ہے، یہی بیماری تیری اصل درد ہے۔

می رُباید رفعت از فکرِ بلند

می کند شمعِ خیالِ ارجمند [20]

یعنی ناداری بلند فکر سے رفعت چھین لیتی ہے، اور عظیم خیالات کی شمع کو بجھا دیتی ہے۔

**احسان کی قیمت: روشنی کے بدلے داغ:**


CC BY

اقبال ایک تمثیل میں چاند کو سورج سے روشنی پانے والا بتاتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ایک اخلاقی سبق بھی دیتے ہیں:

ماہ را روزی رسد از خوانِ مہر

داغ بر دل دارد از احسانِ مہر[21]

یعنی چاند سورج کے دستر خوان سے روزی پاتا ہے، لیکن اس احسان کا داغ اس کے دل پر ہے۔

یہ تمثیل بتاتی ہے کہ دوسروں کی محتاجی بظاہر روشنی دیتی ہے مگر در حقیقت عزتِ نفس کا داغ بن جاتی ہے۔ علامہ اقبال کی فکر میں خودی کو اگر عشق و محبت کی روح نہ ملے تو وہ ایک خالی جسم بن جاتی ہے۔ عشق و محبت، بالخصوص عشقِ الٰہی اور عشقِ رسول ﷺ، خودی میں استقامت، روشنی، اور روحانی بلندیاں پیدا کرتے ہیں۔ دوسری طرف محتاجی، سوال، اور غیر پر انحصار خودی کو ختم کر دیتے ہیں۔

**اقبال کا تعلق بالرسول ﷺ:**

علامہ محمد اقبال محض ایک شاعر نہ تھے، بلکہ ایک سچے عاشقِ رسول ﷺ، مفکرِ اسلام اور روحانی رہنما تھے۔ ان کی تمام فکری، روحانی، تہذیبی اور تمدنی کاوشوں کا مرکز و محور ذاتِ اقدس رسول اللہ ﷺ کی ذات تھی۔ اقبال سمجھتے تھے کہ انسان کی نجات، خودی کی تکمیل، اور امتِ مسلمہ کی فلاح اسی وقت ممکن ہے جب اس کا تعلق نبی اکرم ﷺ سے سچا اور گہرا ہو۔ اقبال کے نزدیک عشقِ مصطفیٰ ﷺ انسان کو بلندی، وقار، اور حقیقت سے آشنائی عطا کرتا ہے:

"کی محمد ﷺ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں"[22]

**اقبال کی شاعری میں اظہارِ عشقِ رسول ﷺ:**

اقبال نے اپنی شاعری میں بار بار نبی کریم ﷺ کی ذات کی عظمت کو بیان کیا۔ ان کے اشعار میں ادب، احترام، عشق، اور فکری گہرائی کے ساتھ ساتھ ایک روحانی وابستگی بھی نمایاں ہے:

"وجودِ مصطفوی ﷺ ہے کائناتِ حق کا مرکز

اسی سے پائی ہے فطرت نے روشنی اپنی"[23]

**فکری وابستگی اور عملی پیغام:**

اقبال کے نزدیک عشقِ رسول ﷺ صرف زبانی دعویٰ نہیں بلکہ عملی زندگی میں سیرتِ نبوی ﷺ کو اختیار کرنا ہی اصل عشق ہے۔ اقبال نے ایک مقام پر کہا:

"برو آن راہ کہ رہبر تو ست مصطفیٰ

کہ اوست سرورِ ہر دو سرا و رہنما"

مزید ایک فارسی شعر میں وہ واضح پیغام دیتے ہیں:

"بر رساں خویش را کہ دین ہمہ اوست

اگر او را نہ رسیدی، تمام بولہبی است"[24]

ترجمہ: اپنے آپ کو مصطفیٰ ﷺ تک پہنچا، کیونکہ دین کا سارا دار و مدار انہیں پر ہے۔ اگر تُو ان تک نہ پہنچا، تو تیرا ہر عمل ابو لہب کے عمل کی مانند ہے۔ اقبال نے عشقِ رسول ﷺ کو مسلمان کی شناخت قرار دیا:

"در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است

آبروئے ما زنامِ مصطفیٰ است"

مزید فرماتے ہیں:

"قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اُجالا کر دے"[25]

**ایمان کی بنیاد: تعلق بالرسول ﷺ:**

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"[26]

یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ موجود ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين"[27]

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے والد، اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔"

اقبال کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی ذات وہ مرکز ہے جو بکھری ہوئی امت کو جوڑ سکتی ہے۔ان کا ماننا ہے کہ:

"فرد قائم ربطِ ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں

موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں"[28]

اقبال کی فکر کے مطابق خودی کی معراج تب ہی ممکن ہے جب وہ عشقِ رسول ﷺ سے جُڑی ہو۔ان کے نزدیک عشقِ رسول ﷺ خودی کو کامل، روشن اور بلند بناتا ہے۔

**خلاصۂ بحث و نتائج**

زیرِ نظر مقالے میں علامہ محمد اقبال کے فلسفۂ خودی اور عشقِ رسول ﷺ کے باہمی تعلق کا فکری و روحانی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔اقبال کے نزدیک خودی محض انفرادیت، خود اعتمادی یا طاقت کا اظہار نہیں بلکہ ایک ایسی روحانی و اخلاقی قوت ہے جو ایمان، مقصدِ حیات، اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے جُڑی ہوئی ہے۔ان کے مطابق خودی کی نشوونما اور کمال اسی وقت ممکن ہے جب وہ رسول اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے منور ہو، ورنہ وہ غرور و تکبر کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اقبال نے اپنی شاعری اور نثر میں بارہا اس حقیقت کو اجاگر کیا کہ عشقِ رسول ﷺ وہ بنیادی عنصر ہے جو فرد کو وقار، عزت، اور قوم کو سربلندی عطا کرتا ہے۔مضمون کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اقبال نے "اسرارِ خودی"، "رموزِ بے خودی"، "بالِ جبریل" اور "بانگِ درا" جیسی تصانیف کے ذریعے امتِ مسلمہ کو یاد دلایا کہ ان کی بقا اور ترقی کا راز اپنی خودی کو پہچاننے اور اسے عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے جلا بخشنے میں مضمر ہے۔اقبال کے نزدیک فردِ بیدار ہی ملت کے مقدر کا ستارہ ہے، اور قوموں کی تقدیر اس وقت بدلتی ہے جب ان کے افراد اپنی خودی کو ایمان و عشق کی بنیاد پر پروان چڑھائیں۔یہ تحقیق واضح کرتی ہے کہ اقبال کی فکر محض ادبی یا فلسفیانہ موشگافی نہیں بلکہ عصرِ حاضر کے مسائل کا ایک عملی حل بھی فراہم کرتی ہے۔آج کا مسلمان نوجوان مادہ پرستی، روحانی خلا، مغربی فکر کی یلغار اور شناختی بحران کا شکار ہے۔اقبال کا فلسفۂ خودی اور تعلق بالرسول ﷺ اس کے لیے نہ صرف فکری رہنمائی مہیا کرتا ہے بلکہ عملی زندگی میں عزتِ نفس، قیادت، مقصدیت اور روحانی اطمینان کا سرچشمہ بھی بن سکتا ہے۔بالآخر، اس مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اقبال کی فکر آج بھی امتِ مسلمہ کے لیے مشعلِ راہ ہے۔اگر مسلمان اپنی خودی کو عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے منور کریں تو وہ نہ صرف اپنی کھوئی ہوئی شناخت دوبارہ پا سکتے ہیں بلکہ عالمی سطح پر عدل، امن اور فلاح کا نظام قائم کرنے کی صلاحیت بھی حاصل کر سکتے ہیں۔


CC BY

**مصادر و مراجع:**


1۔ القرآن الکریم

2۔ علامہ، محمد اقبال، **اسرارِ خودی** (مکتبہ شبلی، لاہور، 2015)

3۔ علامہ، محمد اقبال، **بالِ جبریل** (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 2019)

4۔ علامہ، محمد اقبال، **بانگ درا** (مکتبہ دانیال، لاہور، 2018)

5۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، **صحیح بخاری** (دار السلام، ریاض، 2006)

6۔ مسلم، مسلم بن حجاج، **صحیح مسلم** (دار السلام، ریاض، 2007)


## حوالہ جات

---

[1] بانگ درا، نظم: جوابِ شکوہ، علامہ اقبال (مکتبہ دانیال، لاہور، 2018) 123

[2] بالِ جبریل، نظم: خودی، علامہ اقبال (مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 2019) 87

[3] بانگ درا، نظم: طلوع اسلام، علامہ اقبال (مکتبہ دانیال، لاہور، 2018) 137

[4] القرآن، 21:33

[5] بانگ درا، نظم: طلوعِ اسلام، علامہ محمد اقبال (مکتبہ دانیال، لاہور، 2018) 137

[6] بالِ جبریل، نظم: خطاب بہ جوانانِ اسلام (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 2019) 76

[7] القرآن، 11:13

[8] بانگ درا، نظم: خُطبہ، علامہ محمد اقبال (مطبوعہ مکتبہ دانیال، لاہور، 2018) 144

[9] بانگ درا، نظم: طیرِ لاہوتی، علامہ محمد اقبال (مکتبہ دانیال، لاہور، 2018) 147

[10] اسرارِ خودی، علامہ اقبال (مکتبہ شبلی، لاہور، 2015) 33

[11] نفس المصدر، 34

[12] نفس المصدر، 36

[13] نفس المصدر، 38

[14] اسرار خودی، علامہ محمد اقبال (مکتبہ شبلی، لاہور، 2015) 18

[15] نفس المصدر، 22

[16] نفس المصدر، 14

[17] مسلم، کتاب الزکاۃ، باب کراھۃ المسألۃ (دار السلام، ریاض، 2007) 02:717، رقم: 1040

[18] اسرار خودی، علامہ محمد اقبال (مکتبہ شبلی، لاہور، 2015) 47

[19] نفس المصدر، 49



CC BY

[20] نفس المصدر، 50

[21] نفس المصدر، 53

[22] بانگِ درا، نظم: جوابِ شکوہ، علامہ محمد اقبال (مکتبہ دانیال، لاہور، 2018) 156

[23] بالِ جبریل، نظم: معراجِ انسان، اقبال (مکتبہ علم و عرفان، لاہور، 2017) 88

[24] اسرارِ خودی، علامہ محمد اقبال (مکتبہ شبلی، لاہور، 2015) 62

[25] بانگِ درا، نظم: دعا، علامہ محمد اقبال (مکتبہ دانیال، لاہور، 2018) 189

[26] القرآن، 21:33

[27] صحیح بخاری، کتاب الإیمان، باب: حب الرسول ﷺ من الإیمان (دار السلام، ریاض، 2006) 13:01، رقم: 15

[28] بانگِ درا، نظم: دعا، علامہ محمد اقبال (مکتبہ دانیال، لاہور، 2018) 145



CC BY